ڈاکٹر ولی شدی

مولانا عبدالواحد سندھی

مولانا عبدالواحد سندھی، سندھ سے ہندتک جانے پہچانے جاتے تھے، انہوں نے جس تسلسل وانہماک سے سندھی اردو علوم وادبیات کی ترویج واشاعت کے سلسلے میں عدیم المثال خدمات انجام دیں، کئی نسلوں کی ذہنی نشوونما، تعلیمی ترقی، صالح ماحول اور معاشرے کی تعمیر وتشکیل میں جس اخلاص وایثار کے ساتھ اہم کردار ادا کیا وہ کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا علمی، تعلیمی، تہذیبی اور ادبی سفر نصف صدی سے زائد چھ دہائیوں پر محیط ہے۔ ان کی جدوجہد سے بھرپور زندگی علامہ اقبال کے اس شعر کی عملی تفسیر تھی ؎

تو اسے پیمانہ امروز فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

مولانا عبدالواحد سندھی اندھر راجپوت کے اس ہندو قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جس کے بزرگوں نے ساتویں صدی ہجری میں شیخ الاسلام حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا تھا۔ مولانا عبدالواحد سندھی اس لئے کہلاتے ہیں کہ ۱۹۰۵ء میں "سندھ" کے ایک گاؤں "ہالے جی شریف" تحصیل پنوعاقل ضلع سکھر میں پیدا ہوئے۔ خود مولانا سندھی کا بیان ہے کہ جب وہ نو سال کے تھے ان کے والد عبدالوارث ڈنے کا انتقال ہو گیا۔ مولانا کے ایک قریبی رشتہ دار حاجی عماد اللہ نے ان کی پرورش اور تعلیم وتربیت

پر خاص توجہ دی۔ اُن ہی کی زیر عاطفت عبدالواحد صاحب نے قریبی گاؤں گھوٹکی اور سلیمان پور کے دینی مدرسوں میں مولانا حبیب اللہ اور مولوی نور محمد چاچڑ سے عربی اور فارسی اور سندھی کی ابتدائی تعلیم خالص دینی و اسلامی ماحول میں حاصل کی۔

مولانا نے اپنی ایک گفتگو میں بتایا تھا:

"۱۹۲۳ء کا ذکر ہے کہ مجھے اپنے گاؤں میں ایک اخبار ملا اس میں میں نے جامعہ ملیہ کے قیام اور اس کے تعلیمی اغراض و مقاصد سے متعلق ایک خاکہ پڑھا تو میرے دل میں یہ تمنا جاگ اُٹھی کہ میں بھی جامعہ ملیہ میں تعلیم حاصل کرنے کی سعادت حاصل کروں، لیکن میری حالت ایسی نہ تھی کہ میں علی گڑھ جا سکتا۔ میں نے اس کا تذکرہ اپنے ایک بزرگ حاجی نور محمد سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ "تم علی گڑھ ضرور جاؤ، وہاں تعلیم حاصل کرو، یہ بات اہل سندھ کے لئے قابل فخر ہوگی"۔

سچ ہے اللہ تبارک و تعالیٰ بڑا کارساز ہے جب وہ کسی سے کام لینا چاہتا ہے تو اس کے اسباب مہیا کر دیتا ہے اسی لئے تو کہتے ہیں "جہاں چاہ وہاں سا راہ" ارادہ نیک ہو تو اللہ کی مدد شامل حال رہتی ہے۔ عبدالواحد صاحب یکا و تنہا کشاں کشاں علی گڑھ پہنچے۔ وہاں ڈاکٹر محمود حسین خاں صاحب سے ملاقات ہوئی، ڈاکٹر ذاکر حسین خاں جو جامعہ ملیہ کے سربراہ تھے مولانا سندھی کے عزائم اور تعلیم حاصل کرنے کے جذبۂ شوق سے متاثر ہوئے۔ ۱۹۲۳ء میں عبدالواحد صاحب کے داخلہ جامعہ ملیہ میں ہو گیا۔ ۱۹۲۵ء میں جامعہ ملیہ علی گڑھ سے دہلی منتقل ہو گیا۔ جامعہ ملیہ اس وقت بھی پورے ہندوستان میں ایک مثالی درسگاہ تھی قابل ذکر بات یہ ہے کہ وہاں ذریعہ تعلیم اردو تھی عبدالواحد صاحب جب علی گڑھ گئے تھے، اردو سے نابلد تھے۔ انھوں نے اپنی بیگم محترمہ نور فاطمہ صاحبہ کے ماموں سے اردو سیکھی۔

عبدالواحد صاحب ڈاکٹر ذاکر حسین کے لائق شاگردوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی ہدایت پر عبدالواحد صاحب نے ۱۹۳۰ء میں اعلیٰ تربیت کے لئے موگا ٹیچرز ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ (فیروز پور پنجاب) میں داخلہ لیا۔ وہاں جدید طرز تعلیم اور درس و تدریس کی سائنٹفک تربیت حاصل کر کے ۱۹۳۳ء میں واپس آئے تو ڈاکٹر ذاکر حسین نے انہیں جامعہ ملیہ کا استاد مقرر کر دیا۔ تنخواہ

۲۵ روپے ماہانہ۔ ۱۹۳۳ء میں ہی ڈاکٹر ذاکر حسین کی خواہش پر عبدالواحد صاحب کی شادی دہلی کے سید انور علی شاہ صاحب کی صاحبزادی محترمہ نور فاطمہ سے ہوگئی۔ محترمہ طبیہ کالج دہلی کی سند یافتہ ہیں اور جامعہ ملیہ میں استانی رہ چکی ہیں۔

اُسی زمانے میں مولانا عبدالواحد سندھی نے سندھ کے مشہور قومی رہنما سر عبداللہ ہارون سے رابطہ قائم کیا۔ جامعہ ملیہ کی ترقی و توسیع اور استحکام کے لئے ان کی توجہ مبذول کرائی۔ عبداللہ ہارون سندھ کے ان ممتاز اور مخلص رہنماؤں میں سے تھے۔ قوم کے نونہالوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا، مسلمانوں کے وقار کو بلند کرنے کی خاطر کام کرنا جن کی زندگی کا نصب العین تھا۔ عبداللہ ہارون نے جامعہ ملیہ کی کارکردگی، تعلیمی منصوبہ جات کی تفصیلات سے آگہی حاصل کیں۔ جامعہ کی مستقل مالی امداد کا انتظام کیا۔ عبداللہ ہارون نے سندھ کے بے شمار طالب علموں کو اپنے اخراجات پر تعلیم دلوائی۔ مولانا سندھی کو بھی وظیفوں کے اعزاز سے نوازا۔ عبداللہ ہارون ہی کی خواہش پر مولانا نے بحیثیت استاد دو سال مدرسہ مظہر العلوم کراچی میں بھی فرائض انجام دیئے۔

مولانا عبدالواحد سندھی اپنے جن اساتذہ کے نام انتہائی افتخار و احترام سے لیا کرتے تھے ان ہی ڈاکٹر ذاکر حسین کے علاوہ ڈاکٹر انصاری (حکیم اجمل خان کے رفیق خاص اور گاندھی کے قریبی ساتھی) اور تاریخ کے استاد پروفیسر مجیب قابل ذکر ہیں۔

مولانا کے ایام طالب علمی کے ساتھیوں میں ڈاکٹر محمد حسین کے علاوہ پنجاب کے عبدالخالق، دکن کے عبدالغفار، سندھ کے پیر الٰہی بخش، قاضی فضل اللہ، شمس الدین علوی اور محمد مرتضیٰ قاضی وغیرہ کے نام بڑی عزت و محبت سے لیا کرتے تھے۔

مولانا نے تقریباً پچاس کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں بچوں کے لئے جو کتابیں ہیں ان کی تعداد تیس ہے۔ مولانا نے ڈاکٹر ذاکر حسین کی تلقین پر ہی تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا تھا ڈاکٹر ذاکر حسین مولانا کی تحریروں کو بہت پسند فرماتے تھے۔ ان کی سب سے پہلی کتاب اردو کا قاعدہ تھی بعض کتابیں جامعہ ملیہ اور دیگر درسگاہوں کے نصاب میں شامل رہیں۔ اسلامی تعلیمات سے متعلق چند کتابوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ اسلام کیسے شروع ہوا ۲۔ قرآن پاک کیا ہے

۳- رسول پاک کون تھے؟ ۴- اسلام کیسے پھیلا

اسلام کے مشہور سپہ سالار

مولانا کا یہ کارنامہ بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ سندھ کی تاریخ، تہذیب، ادب، ثقافت سوانح اور شخصیات سے متعلق جو مضامین و مقالات نئی زندگی میں شائع ہوئے بڑی دیدہ وری اور محنت شاقہ سے ان کا بہترین انتخاب کئی جلدوں میں مرتب کر کے شائع کیا، ان میں

۱- مہران جا موتی ۲- مہران جی موج ۳- مہران جا مانک

اور ماگ پیارا بیل (ادب کے شگفتہ پھول)

سندھی ادب میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور آج بھی اہل تحقیق کے لئے حوالے کے کام آتی ہیں۔

دیکھنے والوں نے دیکھا ہے کہ مولانا کی قدآور شخصیت کراچی شہر کے کسی ہجوم میں بھی دور سے پہچانی جاتی ہیں، لمبا قد، سر پر جناح کیپ ہلکے رنگ کی شیروانی، چوڑے پائنچے کا پاجامہ زیب تن کئے ہاتھ میں چرمی بیگ تھامے، تیز تیز چلتے پھرتے دکھائی دیتے تھے، دفتر میں گھنٹوں جم کر کام کرنا پریس میں جا کر خود کام کی نگرانی کرنا، اول تا آخر ہر کام کو تکمیل تک پہنچانا مولانا کا معمول تھا ہر وقت ہشاش بشاش رہتے تھے اور ہر وقت چاق و چوبند نظر آتے۔ بات بات پر مسکراہٹ ان کی شخصیت میں عجیب دلکشی پیدا کر دیتی تھی۔

مولانا "نئی زندگی" سے ریٹائر ہوئے تو ڈاکٹر محمود حسین نے انھیں جامعہ ملیہ ملیر کی شعبہ تصنیف کا نگران مقرر کیا۔ بچوں کا رسالہ ماہنامہ "ستارہ" ان ہی کی ادارت میں پانچ سال تک شائع ہوتا رہا "ستارہ" کی مکمل جلدیں اس خاکسار کے نجی کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ جن دنوں مولانا جامعہ ملیہ ملیر سے وابستہ ہوئے یہ سعادت راقم الحروف کے حصے میں آئی کہ وہ اپنے گھر جانے سے پہلے دوپہر اکثر اس ناچیز کے غریب خانے میں گذارتے۔ کبھی کبھی "ستارہ" کے لئے مضمون بھی لکھوا کرلے جاتے، بلاشبہ "ستارہ" کی اشاعت سے بچوں کے ادب میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔

ڈاکٹر محمود حسین کی وفات کے بعد "ستارہ" بند ہوا تو مولانا بیگم داؤد پوتہ کے سندھی ماہنامہ (برائے خواتین) "ادیوں" کے اڈیٹر ہو گئے۔ ان ہی دنوں ۱۹۷۲ء میں مولانا کا ایک جوان سال بیٹا سہیل اچانک اللہ کو پیارا ہو گیا۔ بیٹے کی جواں مرگی نے باپ کی کمر توڑ دی۔ مولانا بجھے بجھے سے

(بقیہ صفحہ ۳۳ پر)